باب#١١٧

مدینے میں اسلام کے قدم جم گئے

١٠٦ قریشِ مکہ کو جب ہوش آیا

١٠٧ ناگہاں اموات

١١٠ اقامتِ صلوٰۃ؛ اذان کی پکار

١١١ یوم الجمعۃ اور صلوٰۃ الجمعۃ

١١٢ ٩٩: سُوْرَةُ الْجُمُعَة [دوسرا رکوع] [٦٢ — ٢٨: قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ]،

١١٤ تہجد کے دورانیے میں تخفیف

١١٥ ١٠٠: سُوْرَةُ الْمُزَّمِّل ﴿آیت ٢٠﴾ [٧٣-٣٠عمّ]

١١٦ رسول اللہؐ اور ابو بکرؓ کے گھرانے کی خواتین کی مدینے میں آمد

١١٧ مواخاۃ

١١٨ اوّلین اسلامی ریاست میں خواتین کا کردار

١٢٠ مہاجرین کی معاشی سرگرمیاں اور مواخاۃ کے اثرات

١٢١ اسلام کے دو دشمن خالہ زاد بھائی

١٢٢ راہب ابو عامر

١٢٣ دوسرا بھائی، عبداللہ بن ابی

١٢٤ شادیوں کا سلسلہ

١٢٦ یثرب کا موسمی بخار

١٢٨ حجاز کی دو طاقتیں، ایک ہی زندگی کا حق پا سکے گی

١٣٠ ضمیمہ: لَھو پر آیاتِ قرآنی

باب #۱۱۷

مدینے میں اسلام کے قدم جم گئے

قریشِ مکہ کو جب ہوش آیا

غالباً نبی ﷺ کے مدینہ ہجرت کر جانے کے پہلے چھ آٹھ مہینے قریش، خس کم جہاں پاک کے جھوٹے احساس میں مبتلا رہے۔ جانے والوں سے جاتے جاتے کچھ ٹیکس وصول کرنا، وار چل جائے تو مال اسباب چھیننا کہ یہ مکے کا مال ہے، مدینے نہیں جاسکتا۔ جانے والوں کی چھوڑی ہوئی چیزوں پر قبضہ کرنا اور جانے والے مہاجر کے اہلِ قبیلہ سے کسی جھگڑے کا اندیشہ نہ ہو تو اُسے پریشان کرنا اُن کا روّیہ رہا۔ مجموعی طور پر وہ مکہ کے اہلِ ایمان باسیوں کے، خصوصی طور پر اُن کے اہل وعیال کے مکہ چھوڑنے میں فیصلہ کن قوّت کے ساتھ مزاحم نہیں ہوئے۔ اللہ نے اُن کی عقلوں پر پتھر ڈال دیے تھے وہ اپنے دشمن کی فاتحانہ پیش قدمی کو شکست خوردہ گروہ کا فرار سمجھ کر رہ گئے۔ فقیر اِس روّیے میں دو عوامل کو بھی کارفرما محسوس کرتا ہے اوّلاً یہ کہ سردارانِ قریش کے سِوا [یا کہیے کہ آئمۃ الکفر کو چھوڑ کر جو بدر و احد کی جنگوں میں مارے جانے والے ہیں] باقی تمام اہلِ مکہ اسلام کی دشمنی میں بے حد شدید نہیں تھے؛ ثانیاً یہ کہ قریش فطرتاً و نسلاً عالی ظرف، بہادر، مہمان نواز اور رحم دل تھے، اس لیے وہ اپنے دشمن خاص محمد ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کو تو قتل کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں، اُن کو تلاش کرنے اور اہلِ مدینہ سے واپس طلب کرنے میں تو بہت سر گرم ہیں مگر رسول اللہ ﷺ کے مدینہ چلے جانے کے سات آٹھ ماہ بعد تک نہ اُن کی اہلیہ سودہؓ اور دونوں بیٹیوں کلثومؓ اور فاطمہؓ سے کوئی تعرض کرتے ہیں اور نہ ہی اسی طرح باقی رہ جانے والے ابو بکرؓ کے اہلِ خاندان کے مرد و خواتین سے۔ آپؐ کے منہ بولے بیٹے زیدؓ سات ماہ بعد آکر عبداللہ بن ابی بکرؓ اور طلحہؓ کے ساتھ مل کر اپنے، رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے خاندان کے مکہ میں رہ جانے والے باقی ماندہ افراد کو لے کر بہ سکون و اطمینان مدینہ آجاتے ہیں۔

مگر جلد ہی مدینے سے آنے والی اطلاعات نے اُن کے اِس طرح چین سے بیٹھے رہنے کا سلسلہ ختم کر

دیا۔ یہ دیکھ کر ان کا غصہ بھڑک اُٹھا کہ مسلمانوں کو مدینے میں بڑی عزت اور امن مل گیا ہے۔ چناں چہ انھوں نے خزرج اور اوس کے متفقہ مجوزہ نام زد بادشاہ، عبداللہ بن اُبی کو جس نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا اور اعلانیہ مشرک تھا. ایک دھمکی آمیز خط بھیجا، جس میں لکھا تھا": آپ لوگوں نے ہمارے آدمی کو پناہ دے رکھی ہے، اس لیے ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یا تو آپ لوگ اس سے لڑائی کیجیے یا اسے نکال دیجیے یا پھر ہم اپنی پوری جمعیت کے ساتھ آپ لوگوں پر حملہ کر کے آپ کے سارے مردانِ جنگی کو قتل کر دیں گے اور آپ کی عورتوں کی حرمت پامال کر ڈالیں گے۔" اس خط کے آتے ہی عبداللہ بن اُبیّ مکے کے اپنے مشرک بھائیوں کے حکم کی تعمیل کے لیے تیار ہو گیا۔ اُس نے مدینے میں موجود، اب تک ایمان قبول نہ کرنے والے مشرک بھائیوں کو رسول اللہ ﷺ سے جنگ کے لیے جمع کر لیا۔ جب نبی ﷺ کو اس اجتماع کی اطلاع ہوئی تو آپؐ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: "قریش کی دھمکی تم لوگوں پر بہت گہرا اثر کر گئی ہے۔ اِس روّیے سے تم خود اپنے آپ کو جتنا نقصان پہنچا سکتے ہو قریش اس سے زیادہ تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ سوچو، تم اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے خود ہی لڑنا چاہتے ہو؟ نبی ﷺ کی یہ بات سن کر لوگ بکھر گئے۔ اس وقت تو عبداللہ بن اُبی جنگ کے ارادے سے باز آ گیا کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے کیا گیا حالات کا تجزیہ اس کے ساتھیوں کی سمجھ میں آ گیا تھا مگر در پردہ قریش کے ساتھ عبداللہ بن ابی کے روابط ہمیشہ قائم رہے۔ اُس نے مسلمانوں کے درمیان یہود اور مشرکین کی مدد سے فساد کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ اُسے جزوی تسکین تو ہوتی رہی لیکن وہ کبھی کامیاب نہ ہو پایا۔ قریش کو بھی یہود اور عبداللہ بن ابی جیسے لیڈروں کی جانب سے بڑی مدد کا یقین تھا، سارے سہارے بودے ثابت ہوئے اور اب مسلمانوں کے مکے سے نکلنے کے آٹھ نو ماہ بعد قریش کو اپنی معیشت کے ساتھ اپنا بھرم بھی زمیں بوس ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

ناگہاں اموات

اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ: مدینے کے بالکل ابتدائی دنوں میں جب مسجد کی تعمیر جاری تھی مدینے کے بانی اسعد بن زرارہؓ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس واپس بلا لیا۔ مسلمانوں کو اسعدؓ کی وفات سے سخت صدمہ پہنچا۔ وہ یثرب کے پہلے فرد تھے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تھی۔ مکے میں نبی ﷺ کے اوّلین ساتھی اور جاں نثار ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کون نہیں جانتا مگر مدینے میں اپنی اوّلیت

اور صدیقیت میں کون اُن کا مثیل بنا؟ ایک مشکل سوال ہے، مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ گم نام سپاہی وہی اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ تھے، جو نبوت کے گیارہویں برس عقبہ کی وادی میں ملنے والے پہلے چھ میں سب سے پہلے تھے۔ یہ مردِ مومن، اللہ کے رسول کی دعوتِ ایمان پر لبیک کہنے کے لیے سب سے پہلے لب کشائی کرنے والا تھا جو بعد میں بیعت اولیٰ اور ثانیہ دونوں میں سر خیل بنا۔ جس نے مدینے میں اقامتِ صلوٰۃ کا اہتمام کیا، جس نے جمعہ شروع کرایا اور پہلا جمعہ پڑھایا۔ جس نے مصعب بن عمیرؓ کے ساتھ مل کر مدینے میں اسلام کو اتنے دلوں میں اتارا کہ کوئی دوسرا اُن تک پہنچ نہ پایا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینے آنے کے بعد مرنے والوں میں بھی پہلا تھا، اللہ کے پاس مدینے سے جانے والا پہلا سفیر۔ جنت البقیع میں دفن ہونے والی پہلی میّت، اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ؛ ابو بکر صدیق ثانیؓ!!

آپ کی موت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہلِ یہود اور عرب منافقین ضرور یہ بات میرے متعلق اپنی زبانوں پر لائیں گے "اگر حقیقتاً وہ ایک رسول ہوتے تو ان کے [ایسے قیمتی صف اوّل کے جواں سال] صحابی موت نہ پاتے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ میرے لیے اور میرے اصحاب کے لیے میرا ارادہ اللہ کی مشیت کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ [لا املک لنفسی ولا لصاحبی من اللہ شیءا؛ طبری ص ۱۲۶۱ بحوالہ شبلی نعمانیؒ، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم]

سلمان فارسیؓ کے ایمان لانے کا واقعہ قبا میں آپؐ کے قیام کے دوران کتاب کی پچھلی جلد میں آچکا ہے لیکن بعض روایات کے مطابق اسعدؓ کی تدفین کے موقع پر ہی سلمانؓ فارسی کی دوسری ملاقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو سکی تھی۔ جس کا تذکرہ خود سلمانؓ نے چند سال بعد ابنِ عبّاسؓ سے یوں کیا کہ میں اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اُس وقت پہنچا جب وہ اسعدؓ کی تدفین کے بعد بقیع الغرقد میں تھے۔

کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ: آپ کو یاد ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے رفیق ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سفر ہجرت میں مدینے کے قریب پہنچ کر اُس کی مضافاتی بستی قبا میں قبیلہ اوس کے خاندان بنی عمرو کے ایک عمر رسیدہ بزرگ جناب کلثوم بن ہدمؓ کے مکان میں قیام فرمایا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مدینے پہنچنے کے قلیل عرصے کے اندر اُن کی موت واقع ہوگئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ

براء بن معرور رضی اللہ عنہ: مناسب معلوم ہوتا ہے پہلی ہجری کے اوّلین مہینوں میں وفات پانے

والے اصحاب کا ذکر ہو رہا ہے تو اُن کا بھی تذکرہ ہو جائے جو نبی ﷺ کے مدینہ پہنچنے سے کچھ دن قبل ہی وفات پا گئے تھے۔ سالِ گزشتہ بیعت عقبہ ثانیہ کے لیے جانے والے ۷۲ افراد کے سالار قافلہ براء بن معرور رضی اللہ عنہ تھے، سارے راستے میں کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے آئے تھے۔ آپ خزرج کے سرداروں میں سے تھے اور اسلام اور رسول اللہ کی محبت میں بہت پر جوش تھے۔ جب مکہ میں نبیؐ کے پاس پہنچے تو براء رضی اللہ عنہ نے اپنا مسئلہ پیش کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ تم کو ایک رخ ملا ہوا تھا تو لازم تھا کہ اُسی پر رہتے چناں چہ وہ پھر بیت المقدس ہی کی جانب رخ کرنے لگے۔ کسے معلوم تھا کہ جلد ہی قیامت تک کے لیے اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کا قبلہ کعبہ ہی کو مقرر فرمادے گا، جس کی طرف منہ کر کے مسلمانوں میں سب سے پہلے براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی تھی۔

مکے سے یثرب واپسی کے دو ماہ بعد براء بن معرورؓ کی وفات صفر کے مہینے میں رسول اللہ ﷺ کی یثرب میں آمد سے کم و بیش ایک مہینہ پہلے ہو گئی۔ جب آپؐ ہجرت کر کے تشریف لے آئے تو آپؐ صحابہ کے ہم راہ اُن کی قبر پر گئے اور قبر پر آپؐ نے تکبیر کہہ کے نمازِ جنازہ پڑھی۔ اس نماز میں آپؐ نے چار تکبیریں کہیں۔ براء بن معرورؓ کی موت کا وقت، جب قریب ہوا تو انھوں نے وصیت کی کہ اُنھیں قبر میں قبلہ رو رکھ کر دفن کیا جائے اور اُن کے مال کا ایک تہائی اللہ کی راہ میں ہے، جو نبی ﷺ جہاں چاہیں خرچ کریں۔ کیسی عجیب بات ہے کہ تین اُمور؛ قبلے کے معاملے میں، میّت کو قبر میں قبلہ رُخ رکھنے کے بارے میں اور مال کے ایک تہائی میں وصیت کے بارے میں اللہ نے اُن کے قلب کو وہی الہامی رہ نُمائی دی، جو مستقبل میں ساری امت کے یے ضابطہ بنی۔

اہلِ کفر کے دو سر بر آوردہ چل بسے: جہاں اللہ تبارک و تعالیٰ کے فیصلے سے اہلِ ایمان کے بڑے قیمتی آدمی اموات نے چھین کر اِس دنیا سے آخرت کی جانب منتقل کر دیے، اللہ اُن کی مغفرت فرمائے اُن سے راضی ہو اور اُن کے درجات بلند فرمائے، وہیں مکہ میں مشرکین عرب سے بھی موت نے اُن کے دو بڑے سرداروں کو چھین لیا، افسوس اِن کے سامنے نبی ﷺ کا ظہور ہوا اور وہ اپنی ساری دانش کے باوجود، جس کے لیے دونوں بہت مشہور تھے شرفِ صحابیت حاصل نہ کر سکے۔ اِن میں پہلا بد نصیب ولید بن مغیرہ اور دوسرا عاص بن وائل سہمی تھا، دونوں کے بیٹوں نے جلد ہی غزوہ خندق کے بعد اسلام قبول کر لیا؛ خالد بن ولید اور عمر بن العاص رضی اللہ عنہما۔

اقامتِ صلوٰۃ؛ اذان کی پکار:

مدینۃ النبی میں اب اسلام مستحکم ہوتا جا رہا تھا۔ باقاعدگی سے نماز ادا کی جا رہی تھی۔ جب نماز کا وقت ہوتا تو لوگ زیرِ تعمیر مسجد میں آکر اکٹھے ہو جاتے۔ ہر شخص نماز کے وقت کا تعین سورج کی بلندی اور ماند پڑنے کے لحاظ سے کرلیتا۔ بوقتِ صبح مشرقی افق پر روشنی طلوع ہونے یا غروب آفتاب کے بعد مغربی افق پر شفق کی سرخی مدہم پڑنے سے وقت کا اندازہ آسان تھا لیکن پھر بھی دو آدمیوں کے اندازے مختلف ہو سکتے تھے۔ اس لیے آپؐ لوگوں کو نماز کے لیے بلانے کی خاطر اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر کسی مناسب طریقے کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ بعض نے نمازوں کے وقت آگ جلانے کا مشورہ دیا، بعض نے ناقوس بجانے کی رائے دی، یہ سوچا گیا کہ ایک شخص کو مقرر کر دیا جائے جو ناقوس بجا کر یا عیسائیوں کی طرح لکڑیوں کو کھٹکھٹا کر لوگوں کو نماز کے لیے اکٹھا کرے۔ مشرق میں ان دنوں عیسائی ایسا ہی کرتے تھے۔ لیکن لکڑیوں کو جوڑ کر ایک کھٹکھٹا بنا لینے کے باوجود ابھی اُس کو استعمال کی نوبت نہ آسکی۔ کیوں کہ عمر بن الخطابؓ نے ایک زیادہ مناسب تجویز پیش کی کہ ہر نماز کے وقت کسی آدمی کو بھیج دیا جائے جو پوری مسلم آبادی [جو بڑی مختصر تھی اور آدھے گھنٹے سے کم میں پوری گھومی جا سکتی تھی] میں نماز کا اعلان کر دے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور بلالؓ کو حکم دیا کہ وہ نمازوں کے اوقات میں لوگوں کو پکارا کریں۔ چنانچہ وہ "الصلوٰۃ جامعۃؓ" کہہ کر پانچوں نمازوں کے وقت اعلان کرتے تھے

ایک رات خزرج قبیلے کے ایک صحابی عبداللہ بن زید بن عبد ربہؓ نے ایک خواب دیکھا اور دوسرے دن اُس کی تفصیل آپؐ کے سامنے بیان کی۔ انھوں نے بتایا کہ "میرے پاس سے ایک آدمی کا گزر ہوا جو سبز رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوئے تھا اور اُس کے ہاتھ میں ایک ناقوس تھا۔ میں نے اس سے کہا اے اللہ کے بندے کیا تو یہ ناقوس میرے ہاتھ بیچے گا؟ اُس نے پوچھا کہ تم اس کا کیا کرو گے؟ میں نے جواب دیا کہ ہم اس کے ذریعے لوگوں کو نماز کے لیے جمع کریں گے۔ اُس شخص نے کہا کہ کیا میں اس کام کے لیے تمھیں ایک بہتر طریقہ نہ بتادوں؟ میں نے پوچھا وہ بہتر طریقہ کیا ہے؟ تو اس نے جواب میں کہا" تم باآواز بلند کہو اللہ اکبر، اللہ اکبر" اس سبز پوش انسان نے اللہ کی بزرگی کو چار مرتبہ دہرایا۔ اور اس کے بعد دو مرتبہ اشھد ان لاالہ الااللہ۔ اس کے بعد اشھد ان محمد رسول اللہ دو مرتبہ، حی علی

الصلوۃ دو مرتبہ اور حی علی الفلاح دو مرتبہ پھر اللہ اکبر اور پھر لاالہ الااللہ ایک مرتبہ۔ ایسا ہی خواب عمر بن خطابؓ نے بھی دیکھا اور دوسرے صحابہ کو بھی اسی قسم کے خواب نظر آئے۔(ترمذی، صلاۃ، بدء الاذان ح ۱۸۹ (۱/۳۵۸،۳۵۹)۔

رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن زیدؓ کا خواب سن کر فرمایا"یہ سچا خواب ہے اور فرمایا بلالؓ کے پاس جاؤ وہ بہت خوش الحان ہے۔ انھیں صحیح طرح سے وہی الفاظ سکھادیں جو انھوں نے خواب میں سنے ہیں۔ مسجد کے پڑوس میں بلند ترین مقام پر نجار خاندان کی ایک خاتون کا مکان تھا، بلالؓ طلوع آفتاب سے کافی قبل ہر صبح وہاں پہنچ جاتے اور چھت پر بیٹھ کر سحر کا انتظار کرتے۔ جب وہ صبح نور کی ہلکی سی روشنی دیکھتے تو وہ دعا کے لیے دونوں ہاتھ پھیلا کر دعا مانگتے "اے اللہ میں تیری بارگاہ سے قریش کے واسطے مدد مانگتا ہوں کہ وہ تیرے دین کو قبول کر لیں"اس کے بعد وہ کھڑے ہو جاتے اور اذان کے کلمات اپنی خوب صورت اور بارعب آوز میں ایک والہانہ انداز میں بحدِ استطاعت زور سے پکارتے۔

۹۹: سُوْرَۃُ الْجُمُعَة [۶۲ — ۲۸: قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ] [دوسرا رکوع آیات ۹ تا ۱۱]

یوم الجمعۃ اور صلوٰۃ الجمعۃ: رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل ہی آپؐ کی اجازت سے یثرب میں جمعہ کی نماز شروع ہو چکی تھی۔ مصعبؓ نے خود خط لکھ کر ایک خصوصی ہفت روزہ نماز کی اجازت مانگی تو آپؐ نے لکھا: وہ دن دیکھو جب یہود اپنے سبت کا اعلان کرتے ہیں [یعنی سنیچر سے ایک دن قبل]۔ جب سورج ڈھل جائے تو دو رکعت ادا کر کے اللہ کی قربت چاہو، اس کے ساتھ خطبہ بھی دو۔ مصعبؓ نے سعد بن خثیمہؓ کے گھر میں جمعہ پڑھانے کا اعلان کیا۔ بارہ افراد نے تاریخ اسلامی کی پہلی نماز جمعہ ادا کی۔ اس روز ایک بکری بھی ذبح کی گئی۔ عبدالرحمٰن بن کعبؓ کی روایت مختلف ہے، کہتے ہیں: میرے والد کعب بن مالکؓ کی بینائی زائل ہو چکی تھی اور میں انھیں پکڑ کر لے جاتا تھا۔ وہ جمعہ کی اذان سنتے تو ابوامامہ اسعد بن زرارہؓ کے لیے دعائے مغفرت ضرور کرتے۔ میں نے وجہ پوچھی تو بتایا کہ وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے مدینہ سے ایک میل باہر نقیع الخضمات میں ہمیں جمعہ کی نماز پڑھائی، جس میں چالیس آدمی شامل ہوئے۔ ممکن ہے دونوں ہی روایات صحیح ہوں دو مختلف بزرگوں نے اپنی پہلی نمازِ جمعہ دو مختلف جمعوں کو پڑھی ہوں اور دونوں کو گمان ہو کہ یہ پہلی مرتبہ جمعہ ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ مسلمان جمعہ کے ساتھ وہ معاملہ نہ کریں جو یہودیوں نے سبت کے ساتھ کیا تھا۔ سُوْرَۃُ الْجُمُعَۃ کا پہلا رکوع تو ہجرت کے ساتویں برس نازل ہوناتھا مگر اس کا دوسرا رکوع مدینے کی زندگی کے بالکل ابتدائی دنوں میں نازل ہوا تھا، جب انصار کی اکثریت کو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی صحبت مُیَسَّر نہیں آئی تھی اور تربیت کی بڑی ضرورت تھی۔ مدینے میں ایک روز عین نمازِ جمعہ کے وقت جب آپؐ خطبہ دے رہے تھے ایک تجارتی قافلہ آیا اور حسبِ رواج اُس کی آمد کا اعلان ڈھول اور تاشوں سے ہوا۔ اس قافلے کی آمد کا دیر سے انتظار تھا کیوں کہ اُن دنوں مالِ تجارت نہ آنے کی وجہ سے لوگوں کی سخت ضرورتیں رکی ہوئی تھیں۔ آمد کے اعلان کی آواز سن کر بارہ [۱۲] اصحاب کے سوا تمام حاضرین مسجد سے قافلے کی طرف دوڑ گئے۔ اس بدنظمی اور آخرت کے مقابلے میں دنیاپرستی کے مظہر حادثے پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ جمعہ کی اذان ہونے کے بعد ہر قسم کی خرید وفروخت اور ہر دوسری مصروفیت ممنوع [حرام] ہے۔ جو مسلمان ہیں اُنھیں چاہیے کہ جمعے کی اذان سنتے ہی سارے کام بند کرکے، فوراً اللہ کے ذکر یعنی نمازِ جمعہ کے لیے نکل پڑیں۔ جب نماز ختم ہو جائے تو وہ کارِ دنیا چلانے کے لیے آزاد ہیں۔

محسوس کیا جاسکتا ہے کہ پہلے رکوع میں جو ہجرت کے ساتویں برس نازل ہوا اُس کے بعد پہلے برس کی، وہ بھی بالکل ابتدائی دنوں میں نازل ہونے والی محض تین مختصر آیات (۹،۱۰ اور ۱۱) کو اس کے دوسرے رکوع کے طور پر اس لیے ساتھ رکھا گیا کہ مسلمان یہودیوں کی طرح کی بداعمالیوں سے بچیں جن کا تذکرہ رکوعِ اوّل میں کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کو اُن کے انجام بد کے اسباب جاننے کے بعد عبرت پذیری کی دعوت ہے۔

آداب نمازِ جمعہ، سُوْرَۃُ الْجُمُعَۃ،

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹﴾ ایمان والو، صلوٰۃالجمعہ کی قدر پہچانو، اِس کا تقاضا ہے کہ جب بھی جمعے کے روز نمازِ جمعہ کے لیے اذان[۵۳] کے ذریعے بلایا جائے تو اللہ کے ذکر یعنی خطبہ جمعہ سننے اور صلوٰۃالجمعہ ادا کرنے کے لیے مسجد کی طرف سرگرمی اور مستعدی سے چل

۵۳ جمعہ کی نماز کے لیے بلانے کا جو طریقہ اللہ کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بتایا ہے وہ مسجد سے اذان ہے۔

نکلو اور خرید و فروخت اور کاروبارِ دنیا کو فوراً بند کر دو[54] اگر تمھیں عقل و دانش ہے تو جانو کہ یہ
تمھارے لیے دنیاوی ہر کام سے اور انجام کار کے لحاظ سے زیادہ بہتر ہے ○ فَاِذَا قُضِيَتِ
الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰﴾ پھر جب نماز مکمل ہو جائے تو اپنے کاروبار دنیا کے ذریعے اللہ کا فضل تلاش
کرنے کے لیے زمین میں منتشر ہو جاؤ[55]۔ مگر اس معاشی سرگرمی میں بھی اللہ کو کثرت سے یاد
کرتے رہو[56] تاکہ تمھیں حقیقی کامیابی نصیب ہو ○ وَ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا
وَ تَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَ مِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ
﴿۱۱﴾ اے نبیؐ، یاد کرو اُس موقع کو کہ جب تم جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے سننے والے لوگوں کا یہ
حال رہا کہ جوں ہی اُنھوں نے کسی قافلۂ تجارت اور اس کے ہم راہ کھیل تماشے کی آہٹ پائی تو مختصر
تعداد کے سوا اکثر لوگ اُس کی طرف دوڑ پڑے اور تم کو وہیں مسجد میں کھڑا چھوڑ دیا[57]۔ اے
نبیؐ، اہلِ ایمان کو بتائیے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ کھیل تماشے[58] اور مالِ تجارت سے کہیں بہتر
ہے۔ اور اللہ بہترین روزی دینے والا ہے ○ ۲ع

ع۲

۵۴ یہ حکم قطعی ہے، جمعے کی اذان سننے کے بعد کام میں مصروف رہنا حرام [ممنوع قطعی] ہے۔

۵۵ منتشر ہو سکتے ہو، منتشر ہونے کا حکم نہیں ہے، لازمی نہیں کہ فوراً کسی معاشی سرگرمی میں مصروف ہو جاؤ۔

۵۶ معاشی سرگرمی بھی اللہ کی یاد سے خالی نہ ہو، اللہ کے احکامات کا وہاں بھی خیال رکھا جائے، جھوٹ اور فریب سے اجتناب ہو، کسی طور کسی کی جیب سے ناجائز منافع سچ بول کر بھی نہیں لیا جاسکتا ہے اور نہ ہی کسی کی مجبوری سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے متعدد بیانات اور نصیحتوں سے ہمیں دیانت داری سے معاش کے طریقے سمجھائے ہیں جنھیں فقہا نے بڑی محنت سے مرتب کر دیا ہے۔ کسی بھی مومن کے لیے جائز نہیں کہ کسی بھی ایسے منافع اور کاروبار کو بغیر صاحبانِ علم و تقویٰ کے مشورے سے جاری رکھے، جس سے دل میں خلش ہو اور جس پر کسی طور حرمت کا شبہ ہوتا ہو۔

۵۷ انصارِ مدینہ کے لیے تو یہ اولین جمعے کی نمازوں میں سے ایک رہی ہو گی، مہاجرین کو بھی مکے میں نماز جمعہ کے اصول و آداب کی تربیت نہیں ملی تھی۔ بیشتر اصحاب ڈھول تاشوں کی آواز پر آپ ﷺ کو مسجد میں خطاب کرتے ہوئے مصروف چھوڑ کر قافلے کی جانب چلے گئے۔

۵۸ لَھْو سے مراد کھیل تماشہ ہے، اس سے مراد گانا بجانا بھی ہے جو اسلام میں قطعاً حرام ہے، دیکھیے ضمیمہ "لھو"

تہجد کے دورانیے میں تخفیف

اذان اور جمعے کی نماز کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں نمازِ تہجد میں تخفیف کرنے والی تنزیل کا بھی تذکرہ ہو جائے، ویسے ہماری ترتیب کے مطابق اِسے اگلے باب کے بعد سورۃ الحج کے بعد آنا چاہیے جس میں قتال کی اجازت دی گئی ہے کیوں کہ اس آنے والی آیہ مبارکہ میں قتال کی مصروفیات کو تہجد میں تخفیف کی رعایت کی وجہ قرار دیا جا رہا ہے [وَ اٰخَرُوْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۖۚ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْهُ]۔ مدینے میں آتے ہی مسلمانوں کی اور خصوصی طور پر اُن کے قائد کی مصروفیات کی نہ صرف نوعیت تبدیل ہوگئی بلکہ وہ کئی گنا بڑھ گئیں۔ مکہ کے مقابلے میں، مدینے میں نبی ﷺ کی مصروفیات بہت زیادہ اور بہت متنوع ہو گئیں۔ رسول اللہ ﷺ کو تبلیغ سے زیادہ اب نو مسلموں کی تربیت اور کاروبارِ حکومت کے ساتھ بحالی معیشت و صبر آزما دفاع پر توجہ دینے کے ساتھ شہر کی آبادی کے تنازعات و مقدمات کے فیصلے اور مار ہائے آستین منافقین اور سازشی و چالاک یہود سے بھی معاملہ کرنا تھا۔ چناں چہ اللہ نے اپنے نبیؐ پر آدھی، آدھی رات نماز میں کھڑے رہنے کی عائد فرضیت کو نفل کر دیا اور اُس کا وقفہ [دورانیہ] آپؐ کی آسانی پر چھوڑ دیا گیا۔

صلوٰۃِ تہجد کی فرضیت کا پہلا حکم مکے میں نبوت کے چوتھے برس آیا تھا، جیسا کہ سعید بن جبیرؒ کا بیان ہے کہ تخفیف کو بیان کرنے والی یہ آیہ مبارکہ دس سال بعد نازل ہوئی (ابن جریر و ابن ابی حاتم بحوالہ تفہیم القرآن)۔ اس حساب سے یہ نبوت کا ۱۴واں برس بنتا ہے جو مکے کے تیرہ برس نکال کر مدینے کا یا ہجرت کا پہلا برس ہے۔ جب کفار سے جنگ کی اجازت بھی مل چکی ہے اور زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم بھی آ چکا تھا۔ اس بنا پر لامحالہ ان دونوں رکوعوں کے زمانہ نزول میں کم از کم دس سال کا فاصلہ ہی ہونا چاہیے۔

تہجد کے بارے میں یہ جان لیا جائے کہ آیہ مبارکہ میں جملے کی ساخت، حکم اور فرضیت کا احساس دلاتی ہے، لیکن یہ امر امت میں متفق علیہ ہے کہ تہجد فرض نہیں بلکہ نفل ہے، اس کی تصدیق رسول اللہ ﷺ سے یوں ہوتی ہے کہ ایک شخص کے پوچھنے پر آپؐ نے فرمایا کہ تم پر دن رات میں پانچ وقت کی نمازیں فرض ہیں۔ اس نے پوچھا، کیا اس کے سوا بھی کوئی چیز مجھ پر لازم ہے؟ جواب میں ارشاد ہوا ”نہیں، اِلّا یہ کہ تم اپنی خوشی سے کچھ پڑھو“۔ (بخاری و مسلم)

اس آیہ مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کی قرات کا ذکر کر کے نماز مراد لی ہے، جس سے نماز میں قرآن پڑھنے کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقامات پر رکوع یا سجود کے الفاظ استعمال کر کے اللہ تعالیٰ نے نماز بتائی ہے اور نماز میں رکوع و سجود فرض ہوتے ہیں۔ نمازِ جنازہ اپنی خصوصی حیثیت میں اصطلاحی صلوٰۃ نہیں ہے بلکہ معانی کے اعتبار سے ایک دعا ہے میّت کے لیے اُس کو سامنے رکھ کے اور ظاہر ہے میّت کو سجدہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اُس کے آگے جھکا جا سکتا ہے۔

آیئے آنے والی سطور میں ہم سُوۡرَۃُ الۡمُزَّمِّل میں سے صلوٰۃِ تہجد میں تخفیف بیان کرنے والی آیہ مبارکہ کا مطالعہ کرتے ہیں۔

۱۰۰: سُوۡرَۃُ الۡمُزَّمِّل ﴿آیت ۲۰﴾ [۷۳ — ۲۹: تَبٰرَكَ الَّذِیۡ]

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ اِنَّ رَبَّكَ یَعۡلَمُ اَنَّكَ تَقُوۡمُ اَدۡنٰی مِنۡ ثُلُثَیِ الَّیۡلِ وَ نِصۡفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیۡنَ مَعَكَ ؕ وَ اللّٰهُ یُقَدِّرُ الَّیۡلَ وَ النَّهَارَ ؕ اے نبیؐ، بے شک تمھارا رب جانتا ہے کہ تم اور تمھارے ساتھیوں میں سے بھی کچھ، کبھی تہائی، کبھی آدھی اور کبھی دو تہائی رات کے قریب عبادت میں کھڑے رہتے ہیں[59]۔ اور اللہ ہی رات اور دن کے اوقات کے نظام کو اپنے اندازے سے بناتا، نافذ کرتا اور جاری رکھتا ہے ○ .... عَلِمَ اَنۡ لَّنۡ تُحۡصُوۡهُ فَتَابَ عَلَیۡكُمۡ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنۡ سَیَكُوۡنُ مِنۡكُمۡ مَّرۡضٰی ۙ وَ اٰخَرُوۡنَ یَضۡرِبُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ یَبۡتَغُوۡنَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ ۙ وَ اٰخَرُوۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ۫ۖ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنۡهُ وہ خوب جانتا ہے کہ تم اور تمھارے ساتھی عبادت کے اس گراں شیڈول کو مدتِ طویل ہر گز نہ نبھا سکو گے[60]، لٰہذا وہ تم پر براہِ مہربانی تخفیف فرما رہا ہے، اب جتنا

---

۵۹ ابتدائی حکم [یٰۤاَیُّهَا الۡمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا ۙ﴿۲﴾ نِّصۡفَهٗۤ اَوِ انۡقُصۡ مِنۡهُ قَلِیۡلًا ۙ﴿۳﴾ اَوۡ زِدۡ عَلَیۡهِ وَ رَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِیۡلًا ؕ﴿۴﴾ ﴿۴﴾] میں صرف رسول اللہ ﷺ ہی کو خطاب کیا گیا تھا۔ اور آپؐ ہی کو کارِ نبوت کے ساتھ قیامُ اللیل کا حکم دیا گیا تھا، لیکن اسلام قبول کرنے والے سابقون الاوّلون میں سبقت الی الخیر کا جو غیر معمولی جذبہ تھا اس کی بنا پر اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس نماز کا اہتمام کرتے تھے۔

۶۰ مکی زندگی میں اسلامی ریاست کو چلانے، اُس میں صلوٰۃ و زکوٰۃ کا نظام قایم کرنے، اُس کی ترقی، خوش حالی، امن

بھی قرآن میں سے پڑھنا آسان ہو پڑھ لیا کرو اُسے علم ہے کہ تم سب کے لیے طویل عبادتِ شب آسان نہیں کیوں کہ تم میں سے کچھ ناتواں بیمار، کچھ تلاشِ معاش میں محوِ سفر اور کچھ لوگ اللہ کی راہ میں مصروفِ جہاد ہوں گے۔ پس بقدرِ استطاعت نمازِ تہجد میں جتنا قرآن بآسانی پڑھا جاسکے پڑھ لیا کرو ○ .... وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ نماز قائم کرو؛ یعنی پابندی اوقات کے ساتھ خشوع و خضوع سے نظامِ مساجد سے منسلک ہو کر اپنی نمازیں ادا کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ کو آخرت میں واپس ملنے کی امید پر بخلوصِ نیت انکساری سے اچھا قرض دیتے رہو۔ جو کچھ اعمالِ نیک اور مالِ حلال تم اپنے لیے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے پاس بدرجہا بہتر اور ثواب میں بے اندازہ گُنا پاؤ گے اللہ سے اپنی کوتاہیوں پر معافی مانگتے رہا کرو یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○ ۲۷۔

رسول اللہؐ اور ابوبکرؓ کے گھرانے کی خواتین کی مدینے میں آمد

جلد ہی مسجد کی تعمیر کا کام مکمل ہو گیا۔ تاریخ کی کتابوں میں اس کی مدت سات ماہ لکھی ہے لیکن جیسی کچھ مسجد کی تعمیری تفصیلات لکھی ہیں اُن کو دیکھ کر گمان ہوتا ہے کہ یہ سات روز سے زیادہ کا کام نہیں تھا۔ تاہم آپؐ نے اپنے قیام کو ابوایوبؓ کے یہاں جاری رکھا عین ممکن ہے کہ ابوایوبؓ آپؐ سے اتنے مانوس اور محبت میں ہوں اور آپؐ کے چلے جانے کے خیال سے اتنے غمگیں ہو جاتے ہوں، جس بناپر رسول اللہ ﷺ نے جب تک آپؐ کے گھر کی خواتین مدینہ سے تشریف نہ لے آئیں، اُن کے گھر کا قیام ترک کر کے اُن کی دل شکنی پسند نہ کی۔ یوں آپؐ نے کم و بیش سات مہینے ابوایوبؓ کے

وانصاف اور دفاع کی گراں اور وقت طلب ذمہ داریاں نہیں تھیں، وہاں رسول اللہ ﷺ کو نصف شب یا کچھ کم یا زیادہ رات کو اللہ کے حضور کھڑے رہنے کا حکم دیا گیا تھا، اگرچہ کہ تمام مومنین پر یہ فرض نہیں تھا لیکن نبی ﷺ سے محبت کرنے والے اور اللہ کے قرب کے متلاشی صحابہ کی اکثریت بھی اسی طرح قیامُ اللیل کرتی تھی، مدینے میں صورتِ حال تبدیل ہو گئی تو اللہ تبارک تعالیٰ نے اس میں تخفیف فرمادی کہ ایک تہائی شب یا جتنا آسان ہو اُتنی رات اللہ کے حضور کھڑے رہو۔

یہاں گزارے۔ آپؐ نے مسجد کی مشرقی دیوار کے ساتھ دو چھوٹے چھوٹے کمرے بنوائے۔ یہ آپؐ کی دو خواتین کے لیے تھے۔ ایک اُن کی زوجہ سودہؓ کے لیے اور دوسرا اُن کی زوجہ عائشہؓ کا جن کی ابھی رخصتی باقی تھی۔

آپؐ نے مناسب وقت کا انتظار کیا [جس کی حکمت آپؐ ہی زیادہ جانتے ہوں گے، تفصیلات ریکارڈ میں نہیں ہیں] پھر اپنے منہ بولے بیٹے زید رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ آپؐ کی بیوی سودہؓ اور اُن کے ساتھ ساتھ دونوں بیٹیوں ام کلثومؓ اور فاطمہؓ کو بھی مکہ سے مدینہ لے آئیں۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہؓ کو اپنی والدہ اُم رمانؓ اور بہنوں اسماؓ اور عائشہؓ کو ساتھ لے کر آنے کی ہدایت کر دی۔ اسی سفر میں زیدؓ اپنی زوجہ امِ ایمنؓ اور اپنے چھوٹے سے بیٹے اسامہؓ کو بھی لے آئے۔ طلحہؓ نے بھی اسی چھوٹے سے قافلے میں سفر کیا۔ وہ اپنی تمام جائیداد فروخت کر کے ہجرت کر رہے تھے۔ اس کاروان میں غالباً خواہش کی گئی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی زینبؓ بھی آجاتیں لیکن اُنھیں اُن کے شوہر ابوالعاصؓ نے، جو اُس وقت تک مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے، نہیں آنے دیا۔ وہ غزوۂ بدر کے بعد آسکیں۔

مواخاۃ

مدینہ میں ایک انتہائی منضبط نظریاتی معاشرہ وجود میں آرہا تھا، جس میں انتہا درجہ کی عزتِ نفس کی پاس داری، آزادی رائے، مختلف طبقوں کے درمیان انصاف اور اُن کو اپنے اپنے مذہب اور کلچر کے مطابق اُن کے دائروں میں آزادی حاصل تھی، یہ اُمور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے اعلامیے سے مستحکم ہو گئے تھے۔ وہ یثرب جو کبھی خانہ جنگی اور افراتفری کا شکار تھا، حرم میں تبدیل ہو گیا تھا اور امن کا ایک گہوارہ تھا۔ اِن سب چیزوں کے ساتھ اُن کا قائد اللہ کا نمائندہ اور بسنے والے تمام طبقات کے مسلمانوں کا روحانی پیشوا بھی تھا؛ مسلمان جو شہر کی غالب آبادی پر مشتمل تھے۔ وہ تمام اُس سے اپنے ماں باپ، بیوی بچوں اور اپنی جان سے زیادہ محبت کرتے تھے۔ مکے سے ہجرت کر کے آنے والے کم و بیش چالیس پچاس خاندانوں کو اوس و خزرج کے مختلف صاحبِ حیثیت افراد نے آگے بڑھ کر اپنے گھروں اور دستر خوانوں پر آخرت میں اللہ سے اجر و ثواب کی امید پر شریک کر لیا تھا۔

جیسا اوپر عرض کیا گیا کہ تمام ہی انصار آنے والے مہاجرین کے لیے دل و جان فرشِ راہ کیے ہوئے

تھے تاہم نبی ﷺ نے سوچا ہو گا کہ اِن دو طبقات کے درمیان تعلقات کو پابند ضابطہ ہونا چاہیے اور مستقل بنیادوں پر ہونا چاہیے جو مرتے دم تک قایم رہیں اور شہر میں کبھی کوئی عصبیت نہ جاگ اُٹھے، مہاجرین چوں کہ انصار کے دونوں قبیلوں میں اپنے روابط رکھتے ہوں گے وہ ایک مشترک عنصر کے طور پر اُن دونوں کو بھی جوڑ دیں گے اور شیطان ان کے درمیان کبھی بھی پھوٹ نہ ڈال سکے گا۔ آپؐ کے جاری کردہ اعلامیے نے دیت اور فدیہ کا مسئلہ جو بڑا سخت ہوتا ہے، حل کر ہی دیا تھا کہ دیت اور فدیہ کے اخراجات کا بوجھ انصار کے مختلف قبیلے الگ الگ پہلے کی مانند اُٹھائیں گے اور تمام مہاجرین ایک طبقہ بن کر اپنا بوجھ خود اُٹھائیں گے، بس معاملہ تعاونِ باہمی اور بھائی چارے کا رہ گیا تھا وہ انصار پورے ایثار و قربانی کی لازوال مثالیں پیش کرتے ہوئے مہاجرین کے لیے بہت کچھ کر ہی رہے تھے، باضابطہ ایک انصاری اور ایک مہاجر کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دینا ایک بڑا دور رس فیصلہ تھا جس نے اہلِ ایمان کے پہلے گروہ کو سیسہ پلائی ہوئی جماعت بنا دیا۔ آپؐ کا یہ نظام "مواخاۃ کا نظام" کہلایا۔ مورخین ابن قیم کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انس بن مالکؓ کے مکان پر مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ کرایا۔ کل نوے آدمی تھے، آدھے مہاجرین اور آدھے انصار۔ رسول اللہ ﷺ نے انصار و مہاجرین کے اس اجتماع سے فرمایا کہ ایک انصاری کا ایک مہاجر بھائی ہو گا، جو کسی بھی انصار کے مقابلے میں اُس سے قریب تر ہو گا اور ہر مہاجر کا ایک انصاری بھائی ہو گا جو کسی بھی مہاجر کے مقابلے میں اُس سے قریب تر ہو گا۔

اوّلین اسلامی ریاست میں خواتین کا کردار

اپنے نبیؐ کا یہ فرمان سن کر بننے والے جوڑوں میں انصار نے مہاجرین کو ساتھ لے جا کر اپنے گھر کی ایک ایک چیز سامنے لا کر رکھ دی اور کہہ دیا کہ آپ ہمارے بھائی ہیں اس لیے ان سب میں آدھا آپ کا اور آدھا ہمارا ہے۔ اس ایثار کی انتہا کا یہ بڑا مشہور واقعہ ہے کہ سعد بن ربیعؓ انصاری جو عبدالرحمن بن عوفؓ کے بھائی قرار پائے تھے ان کی دو بیویاں تھیں، سعد بن ربیعؓ نے عبدالرحمن بن عوفؓ سے کہا کہ میری ایک بیوی جسے آپ پسند کریں میں اس کو طلاق دے دوں اور آپ اس سے نکاح کر لیں۔ لوگ اس واقعے پر اعتراض کرتے ہیں کہ کیا بیویاں بھی کوئی بے جان احساسات سے عاری مال تھیں کہ اُن کو

بھی اُن کی اجازت و مرضی کے بغیر اس طرح تقسیم کرنے کا اعلان کیا گیا۔ سوال کرنے والوں کے فہمِ اسلام سے ناواقفیت سے ماسوا اس سوال میں ایک غیر حقیقی مفروضہ ہے وہ یہ کہ شاید یہ پیش کش بیویوں سے پوچھے بغیر ہی کر دی گئی ہوگی۔

دراصل یہ بات اُن لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکتی جنھوں نے ایمان کی حلاوت میں اپنی پوری زندگی کو آخرت کے عوض بیچ دینے کا مزانہ چکھا ہو۔ اِن مہاجر و انصار کا معاملہ یہ تھا کہ اِن کے جسم و جان، احساسات و جذبات سارے ہی اللہ نے جنت کے عوض خرید لیے تھے۔ اِن کے تمام داعیات، کھانے پینے، عزت و جاہ، مال و دولت اور جنسی خواہشات اللہ کی رضا کے تابع ہو گئی تھیں۔ بیویاں بھی اللہ کی محبت اور اُس کی رضا کی طلب میں ویسی ہی آگے تھیں جیسے مرد تھے۔ اِن کے شادی کے بندھن جنسی تسکین کے لیے نہیں بلکہ اللہ کے دین کو سربلند کرنے والے دو دو سپاہیوں کے یونٹ تھے۔ جو ایک دوسرے کے لیے جذباتی سہارا اور علم و جذبوں سے سرشار نئی نسل کی تیاری کے لیے وجود میں آئے تھے۔ اسلام تو ایک بہت ہی اعلیٰ وارفع مقصدِ زندگی عطا کرتا ہے۔ دنیا پرست دنیاوی مشن اور مقاصد کے لیے کام کرنے والی تحریکوں تک میں نظریاتی بنیادوں پر شادی کے بندھن جوڑنے اور توڑنے کی سیکڑوں مثالیں مل جائیں گی۔ اس سے قبل کہ ہم یہ بتائیں کہ عبدالرحمن بن عوفؓ کی جانب سے سعد بن ربیعؓ انصاری کو اُن کی پیش کش کا کیا جواب ملا ذیل میں ہم اُسی دور کی تین خواتین کی مثالیں پیش کرتے ہیں:

- اِن خواتین میں سے ایک نے اپنے تین بیٹوں کے اللہ کی راہ میں ایک ہی دن میں شہید ہونے پر بخ بخ [واہ وا، واہ وا] کے خوشی سے نعرے لگا کر کہا تھا کہ کیا بات ہے ایک ساتھ تین تین شہیدوں کی ماں بن گئی!
- شان دار باغ میں عالی شان مکان کے باہر کھڑے ہو کر جب شوہر نے پکارا تھا کہ رفیقِ زندگی باہر آ جاؤ یہ باغ بھی اور مکان بھی اللہ کے ہاتھ جنت کے عوض بیچ دیا ہے، اب یہ ہمارا نہیں تو بیوی اپنے شوہر کی عقل اور فہم کی داد دیتے ہوئے یوں کہتی ہوئی نکلی تھی کہ بلاشبہ تم نے بڑا ہی عمدہ، بڑا ہی عمدہ سودا کیا ہے۔
- یہ وہ خواتین تھیں کہ جن میں سے ایک نے میدانِ جنگ میں آزمائش کی خبر سنی تو رسول اللہ ﷺ کی خیریت معلوم کرنے بھاگی تھی، رستے میں اُسے ایک ایک کرکے باپ، بیٹے اور شوہر کی شہادت کی خبریں ملیں اور وہ ہر بار یہی پوچھتی رہی کہ رسول اللہ ؐ کیسے ہیں، جب اُسے یہ معلوم ہو گیا کہ وہ زندہ و بخیر ہیں تو اُس نے کہا کہ وہ خیریت سے ہیں تو کوئی غم، غم نہیں ہے۔

سعد بن ربیع انصاریؓ کی اس مخلصانہ پیشکش کو سن کر عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے یہ کہہ کر اُن کا شکریہ ادا کیا کہ اللہ تعالیٰ یہ سب مال و متاع اور اہل و عیال آپ کو مبارک فرمائے مجھے تو آپ صرف بازار کا راستہ بتادیجیے۔ انھوں نے مدینہ کے مشہور بازار"قینقاع"کا راستہ بتادیا۔ وہ روزانہ بازار جانے لگے اور گھی اور پنیر کا کاروبار شروع کردیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں وہ آسودہ حال ہوگئے اور ان کے پاس اتنا سرمایہ جمع ہوگیا کہ انھوں نے سادگی سے شادی کرکے اپنا گھر بسالیا۔ شادی کے بعد جب یہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو آپؐ نے دریافت کیا کہ تم نے بیوی کو کتنا مہر دیا؟ عرض کیا کہ پانچ درہم برابر سونا۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمھیں برکتیں عطا فرمائے تم دعوتِ ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ہی ہو۔ (بخاری، باب الولیمۃ ولو بشاۃ، ص۷۷۷، ج۲)

نبی اکرم ﷺ نے اپنی ذات اور اپنے گھرانے کو اس نظام مواخاۃ کے دائرے سے باہر رکھا، شاید اس لیے کہ جن انصاری گھرانوں کے آپؐ بھائی نہ بن سکیں اُن کو احساس محرومی نہ ہو؛ مزید یہ کہ یہ تعلق بعد میں کسی فضیلت اور استحقاق کے دعوے کی بنیاد نہ بنے۔ مکہ میں منعقد اسی نوع کی مواخاۃ میں آپؐ نے اپنے زیر سایہ پرورش پانے والے اپنے چچازاد بھائی علیؓ بن ابی طالب کو ہی اس ضابطے میں اپنا بھائی قرار دیا تھا جو بعد میں آپؐ کے داماد بھی بن گئے۔ اسی طرح آپؐ نے حمزہؓ کو اپنے منہ بولے بیٹے زیدؓ کا بھائی بنایا تھا۔ مدینے میں مواخاۃ مہاجرین اور انصار کے درمیان تھی نہ کہ مہاجرین کے درمیان۔ انصار اپنے مہاجر بھائیوں پر اس طرح فدا ہونے لگے کہ یہ خیال ہونے لگا کہ وہ وراثت میں بھی حصہ دار ہیں، یہ فیصلہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے بعد میں فرمادیا کہ وراثت میں صرف اصلی خونی رشتہ دار ہی حق دار ہیں[61] اور اسی طرح منہ بولے بیٹوں کو بھی اُن کے اصلی باپوں کے نام سے یاد کرنے کی ہدایت کردی گئی۔

مہاجرین کی معاشی سرگرمیاں اور مواخاۃ کے اثرات

عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی طرح دوسرے مہاجرین نے بھی کاروبار شروع کردیے۔ ابوبکر صدیقؓ

---

۶۱ انصار اس بھائی چارے کی راہ میں اتنے آگے بڑھے کہ مہاجرین کو وراثت میں بھی حصہ دینے پر آمادہ ہوگئے تھے اللہ تبارک و تعالیٰ نے وضاحت فرمادی کہ: وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ (۳۳:۶)

کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ عثمانؓ "قینقاع" کے بازار میں کھجوروں کی تجارت میں مصروف ہو گئے۔ عمر بن الخطابؓ بھی تجارت میں مشغول ہو گئے تھے۔ اسی طرح دوسرے مہاجرین نے بھی چھوٹے بڑے کام شروع کر دیے۔ غرض باوجودیکہ مہاجرین کے لیے انصار کے گھر مستقل مہمان خانہ تھے مگر مہاجرین زیادہ دنوں تک انصار پر بوجھ نہیں بنے بلکہ اپنی محنت اور دیانت دارانہ کوششوں سے بہت جلد اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔ مہاجرین اور انصار کو اس طرح ایک دوسرے کے خاندانوں میں داخل کر دینے سے مدینے میں کبھی یہ سوچ پیدا نہ ہوئی کہ یہ باہر سے آئے ہوئے لوگ یہاں کیوں اتنے خوش حال ہوتے جارہے ہیں۔ معاشرے میں عدل وانصاف کا دور دورہ ہوا اور ایک ایک فرد اللہ سے ڈر کر اپنے کام انجام دینے لگا تو جلد ہی مدینہ ایک دنیا کا مرکز بن گیا۔ اہلِ مدینہ نے وہ مال و دولتِ دنیا دیکھی کہ جس کا پرتوِ وہم و گمان بھی یثرب تو کجا سارے حجاز میں کسی ذی روح انسان پر نہیں گزرا تھا سوائے ایک محمد ﷺ کے جو قریش سے کہا کرتے تھے کہ کہو لا الہ الا اللہ اور عرب و عجم تمھارے قدموں میں ہو گا۔ مہاجرین صرف قبیلہ خزرج کے خاندانوں میں داخل نہیں ہوئے تھے، وہ قبیلہ اوس کے خاندانوں میں بھی اسی طرح نفوذ کر گئے تھے۔ یوں مہاجرین کے ناطے اوس و خزرج کی پرانی دشمنیاں بھی ختم ہو گئیں، ہر نوع کی عصبیتوں اور ہر طرح کے استحصالی شیطانی جالوں سے پاک شہرِ مدینہ دنیا کے صفحے پر نمودار ہوا اور آج تک جگمگا رہا ہے۔ نظامِ مواخاۃ سے مقصود یہی رسول اللہ ﷺ کا ٹارگٹ تھا ورنہ مہاجرین پر تو انصار پر اس مواخاۃ کے بغیر بھی فدا تھے۔

اسلام کے دو دشمن خالہ زاد بھائی

ایک عجیب بات، دو خواتین، ایک اوس میں بیاہی گئی اور ایک خزرج میں، اللہ نے دونوں کے نواسوں کا شمار اسلام کے فداکاروں اور جاں نثاروں میں کیا جب کہ اِن دونوں کے باپ اسلام کے دشمنِ جانی تھے، اور اِن کے بیٹوں نے اپنے باپوں کے نقشِ قدم پر چلنے سے انکار کر دیا۔ یثرب کے دو خالہ زاد بھائی ابو عامر اور عبداللہ بن ابی اسلام کے خاص مخالفین میں سے تھے، ابو عامر قبیلہ اوس سے اور دوسرے نامی گرامی قبیلہ خزرج سے .... یہ دونوں بہنوں کے دو بیٹے تھے اِن دونوں کا اپنے، اپنے قبیلوں پر کافی اثر تھا۔

راہب ابو عامر

ابو عامر بہت عرصہ تک دنیا کو ترک کر کے ایک کمبل پوش راہب کے روپ میں بھی رہ چکا تھا، اس لیے لوگ اسے راہب بھی کہتے تھے۔ اُس کا کہنا تھا کہ وہ دینِ ابراہیمی کا پیروکار ہے۔ رہبانیت سے مرعوب ہو کر یثرب کے بہت سے لوگ اس کی قدر و منزلت کرتے تھے کہ بڑے پہنچے ہوئے بزرگ معلوم ہوتے ہیں، کہیں بے ادبی ہو گئی تو ہمارا دانہ پانی نہ بند کر دیں۔ یوں وہ ایک طرح کا صوفی اور پیر بن کر لوگوں کی گردنیں اپنے آگے جھکواتا تھا اور نذرانے بھی کھاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ جیسے ہی مدینہ تشریف لائے اور اُس نے دیکھا کہ خلقت ایمان لانے کے لیے آپؐ کے پاس جارہی ہے تو وہ جان گیا کہ اب اُس کا کاروبار نہیں چلے گا اگر کوئی بند باندھنا ہے تو وہ ابھی باندھ لے۔ ابو عامر اِن کے پاس نئے مذہب کے بارے میں معلومات حاصل کرنے آیا، اُسے قرآن سنایا گیا، قرآن کا بھی وہ حصہ جس میں اسلام کو دینِ ابراہیمی کہہ کر متعارف کرایا گیا تھا۔ سٹ پٹا گیا، کہنے لگا "لیکن میں تو اسی کا پیرو ہوں"۔ انکار کے ساتھ اپنے خود ساختہ دینِ ابراہیم کو فروخت کرنے کی ناکام کوشش پر اڑا رہا۔ پھر اُس نے رسول اللہ ﷺ پر اپنے جرم کا الزام لگایا کہ تم نے تو دینِ ابراہیمی میں افترا پردازی کی ہے، اس کو گدلا کر ڈالا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "میں نے ایسا نہیں کیا بلکہ میں تو اُسے صاف و شفاف لایا ہوں۔" ابو عامر نے حالات اور ماحول کو تاک کر کہا کہ اللہ کرے کہ جھوٹ بولنے والے کی موت تن تنہا غریب الوطنی میں ہو! بڑا زیرک و دانا تھا، کیا دَور تھا کہ ہر یہودی، ہر منافق بڑا ہی زیرک اور دنیا کا عقل مند ترین آدمی بن کر آپؐ کی شان و استقبال کو چار دن کی چاندنی دیکھ رہا تھا۔ بد نصیب کو کیا معلوم تھا کہ اللہ کے محبوب نبیؐ کے منہ آیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو جھوٹ اور افترا باندھے اللہ اُس کے ساتھ ایسا ہی کرے!

ہر گزرتے دن کے ساتھ ابو عامر کے چیلے اُس کے فریب سے آزاد ہونے لگے۔ اُس نے مشاہدہ کیا کہ اُس کی مقبولیت بڑی تیزی سے کم ہو رہی ہے۔ اُس کی بد مزاجی اور ٹینشن کی انتہا نہ رہی جب اُس نے دیکھا کہ اُس کا اپنا بیٹا حنظلہ بھی دربارِ رسالت ﷺ کی عقیدت میں اُس سے دور چلا گیا۔ زیادہ عرصہ وہ ذہنی اذیت پر صبر نہ کر سکا، اپنے بچے کھچے دس کے قریب مریدوں کو ساتھ لیا اور غریب الوطنی میں

مرنے کے لیے رملہ جانے کا فیصلہ کرلیا۔ اپنی بددعا پر رحمت للعالمین ﷺ سے آمین سُن کر نحوست کے مارے کو کاش توبہ کا خیال آتا مگر تکبّر کے مارے حرام کا مال پیٹوں میں ڈالے لوگوں کو کبھی توبہ نصیب نہیں ہوتی۔ اُس کو اتنا ہوش نہ تھا کہ یہ سوچ سکے کہ نبی کو دی گئی اپنی بددعا کا مصداق بننے جارہا ہے۔

دوسرا بھائی، عبداللہ بن ابی

ابو عامر کا خالہ زاد بھائی خزرج قبیلے کا ایک چالاک، عبداللہ بن اُبی تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے مدینے تشریف لانے سے وہ کوئی دنیا اور آخرت کا فایدہ نہ اُٹھاسکا۔ اُس کے بھی معتقدین کی ایک تعداد تھی مگر ابو عامر سے بہت زیادہ، ساتھ ہی یہود میں بھی اس کو بڑی قدر سے دیکھا جاتا تھا، یہود نے اُس سے بڑی امیدیں لگائی تھیں اور اُس کو بھی یہود کی دوستی پر بڑا ناز تھا۔ اُس کا مسئلہ یہ تھا کہ جنگ بعاث کے بعد خانہ جنگی سے تنگ آکر لوگ کسی امن پسند آدمی کی تلاش میں تھے، یہ بڑا ہی "امن پسند" تھا اس نے خانہ جنگی میں بہت سے یہودیوں کو قتل سے بچایا تھا اور یہودیوں کے خلاف اپنے قبیلے کے ہم راہ جنگ میں بھی شرکت نہ کی تھی، بھائی بھی اس کا راہب تھا۔ جنگ سے چُور عربوں نے سوچا کسی ایسے شخص کو بادشاہ بنالیں جو جنگ سے بھاگتا ہو، ابو عامر راہب کے بھائی کے نام قرعہ فال نکل آیا۔ تاج پوشی کی رسم باقی تھی کہ قوم ساری رسول اللہ ﷺ کی گرویدہ ہوگئی اور آپؐ کو حکومت و سرداری کے لیے مکے سے مدینے بلالیا۔ تاج دھرا کا دھرا رہ گیا البتہ منافقین کو ایک چکنی چپڑی باتیں کرنے والے سردار کی اور یہود کو اُن کے لیے کام کرنے والے عربوں کے درمیان ایک ایجنٹ کی سخت ضرورت تھی، دونوں کی ضرورت ایک ہی آدمی نے پوری کردی، آجر اور ملازم دونوں کو یقین تھا کہ چند روز کا ڈرامہ ہے تاج اصلی تو جلد ہی ملازم کو پہنا دیا جائے گا۔ کس کو معلوم تھا کہ کسریٰ کا تاج اور کنگن اُس نبی عربی کے بدو کے قدموں میں ڈالے جانے کے دن آگئے تھے۔ اور عبداللہ بن ابی کا سر اُڑانے کے لیے اُس کے بیٹے کی درخواست نبی عربی نے مسترد کردینی ہے۔

ابو عامر کی طرح عبداللہ بن ابی کو بڑا دکھ تھا کہ اس کے بیٹے کو رسول اللہ ﷺ نے اپنا گرویدہ بنالیا ہے۔ ابو عامر کو تو کچھ غیرت تھی بیٹے کا سامنا کرنے کے بجائے جلاوطنی کو ترجیح دی، ابو عامر کے برعکس عبداللہ بن ابی مناسب موقع کے انتظار میں رہا۔ اُس کو گمان تھا اور یہود نے بھی یہی یقین دلایا تھا کہ جلد یا

بد یر اس نئے آنے والے کی مقبولیت دم توڑدے گی۔اس دن کے انتظار میں اُس کی پالیسی یہ تھی کہ جہاں تک ہوسکے نبی ﷺ کے سامنے اپنی ذات کو پابندی اور عہد واقرار سے بچائے رکھے لیکن دل کی بات توزبان پر پھسل کر آہی جاتی ہے لہذا گاہے گاہے زبان پھسلتی رہی اور دل کا غبار گھٹے گھٹے جملوں میں ظاہر ہوتا ہی رہا اور منافق بندہ بار بار رُسوا ہوتا رہا۔

شادیوں کا سلسلہ

ان لوگوں کے مدینہ پہنچے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ آپؐ کی پھوپھی زاد بہن حمنہؓ کی شادی مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ سے ہوگئی، یاد رہے کہ یہ حمنہؓ، بہن ہیں زینبؓ کی جو بعد میں ام المومنین بنیں۔ ابو بکرؓ نے اپنی بڑی بیٹی اسماءؓ کی شادی زبیرؓ سے کردی، یہ وہی اسماءؓ ہیں جو غار ثور میں اللہ کے نبی اور اپنے والد، یارِ غار کے لیے کھانا لاتی تھیں، جنھوں نے اپنا کمر پٹّہ پھاڑ کر آپ ﷺ کے لیے کھانا کجاوے سے باندھا تھا۔ زبیرؓ، نبی ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے، اپنی والدہ صفیہؓ کے ساتھ کچھ عرصہ قبل ہی مدینہ آگئے تھے، اس شادی کے ذریعے وہ رسول اللہ ﷺ کے ہم زلف بھی بن گئے۔ ابو بکرؓ کی ہمشیرہ قریبہؓ مکہ ہی میں اپنے والد ابو قحافہ کی دیکھ بھال کی خاطر رُکی رہیں۔ وہ نہ صرف عمر رسیدہ تھے بلکہ آنکھوں سے بھی محروم تھے۔ قریبہؓ تو اسلام لے آئیں تھیں لیکن ابو قحافہ ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے۔ اب رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کی دونوں بیٹیاں سودہؓ کے ساتھ اُن کے لیے بنائے گئے مکان میں رہنے لگیں۔

شادیوں کا سلسلہ چلا تو رسول اللہ ﷺ نے سوچا کہ اُن کے منہ بولے جوان خوب صورت اور عالی نسب بیٹے زیدؓ کے لیے بھی عمر رسیدہ ام ایمنؓ کے علاوہ ایک اور خوب صورت ہم عمر بیوی ہونی چاہیے، جو اُن کی عمر اور نسب سے مطابقت رکھتی ہو، لہذا زیدؓ کے لیے آپؐ نے اپنی پھوپھی زاد خوب صورت بہن کا رشتہ اُن کے بھائی عبد اللہ بن جحش کو تجویز کیا۔ یاد رہے کہ اُسامہ بن زیدؓ کی والدہ، عمر رسیدہ ام ایمنؓ تو وہ عظیم خاتون تھیں کہ جو نبی ﷺ کو اپنے والد سے ترکے میں بطور لونڈی ملی تھیں اور اُنھوں نے نبی ﷺ کو اپنی گودوں میں کھلا کر بڑا کیا تھا۔ کسی موقع پر مکہ میں آپؐ نے فرمایا تھا کہ کسی کو جنتی خاتون سے شادی کرنی ہے تو وہ امِ ایمن سے کرلے، یہ سن کر زیدؓ نے اُن سے شادی کرلی۔

فوری طور پر زینبؓ کا دل زیدؓ کے ہم راہ رشتہ پر راضی نہ ہو پایا، مگر شروع میں اعتراض کے باوجود

انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خواہش کے باعث رضامندی کا اظہار کر دیا اور شادی ہو گئی۔ بعد میں راضی نہ ہونے کی جو وجہ انھوں نے بیان کی وہ یہ تھی کہ اُن کی والدہ امیمہؓ اپنی ماں اور باپ سے جانب الطرفین قریشی تھیں۔ لیکن اُن کے والد تو بنی اسد سے تھے اور زیدؓ کا خاندان بھی کسی طرح بنی اسد سے کم تر نہ تھا، وہ بھی ایک معزز خاندان بنی کلب اور بنو طے سے تھے، بس ایک بات تھی جو بظاہر اُن کے حق میں نہیں تھی مگر وہی اُن کی اصل بڑائی تھی وہ یہ کہ نبی ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے مگر خاندانی غلام نہ تھے نہ ہی کسی جنگ میں غلام بنائے گئے تھے بلکہ رہزنوں کا شکار بن کر بکے تھے۔ مگر کس کے غلام تھے جو اللہ کا رسول تھا، جس نے اُنھیں اپنا بیٹا بنالیا تھا، یہی غلامی اُن کی بڑائی تھی۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی

اس کے ایک دو ماہ بعد فیصلہ کیا گیا کہ اب عائشہؓ [۶۲] کی بھی رخصتی ہو جانی چاہیے۔ وہ اپنے والدین کی طرح حسن و جمال کی مالک تھیں۔ قریش نے اُن کے والد (ابو بکرؓ) کو عتیق کا لقب دے رکھا تھا۔ یہ نام یا خطاب اُن کے جمال کی وجہ سے دیا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے عائشہؓ کی والدہ کے بارے میں فرمایا تھا

---

۶۲ عائشہؓ کے لیے رسول اللہ ﷺ بہت ہی قریب و محبوب رہے تھے۔ سوائے ان چند ماہ کے جب آپ کے والد اور رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے تھے، وہ مکہ میں روزانہ اُن کو دیکھنے کی عادی تھیں۔ انتہائی بچپن سے ہی آپؐ کو دیکھ رہی تھیں کہ آپؐ کے والد اور والدہ دونوں رسول اللہ ﷺ پر کس قدر محبت نچھاور کرتے تھے اور ایسے احترام و محبت سے پیش آتے تھے کہ جس محبت کا اظہار وہ خود اپنی اولاد کے لیے بھی نہیں کر سکتے تھے۔ عائشہؓ کے والدین نے بھی آپؐ کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی محبت و احترام جاگزیں کرنے میں کسی تساہل سے کام نہ لیا تھا۔ اس لیے عائشہؓ کو بخوبی علم تھا کہ وہ اللہ کے پیغمبر ہیں۔ آپؐ جبرئیلؑ سے برابر ہم کلام رہتے ہیں۔ اور اس معاملے میں آپؐ روئے زمین پر واحد بشر ہیں جو آسمان پر تشریف لے جا کر زمین پر واپس لوٹے ہیں۔ آپؐ کا وجود ہی معراج کی گواہی دیتا تھا اور آپؐ کے وجود کی برکت سے اس کی پاکیزگی اور مسرت دوسروں کو بھی محسوس ہوتی تھی۔ اِن کے معجزانہ لمس میں جو مسرت پنہاں تھی اس کا عالم یہ تھا کہ جب دوسرے گرمی کی حدت سے بے حال ہوتے تو آپؐ کے ہاتھ کا لمس برف جیسا ٹھنڈا اور مشک سے بڑھ کر معطر ہوتا تھا۔........ ..... آپؐ کے بدن کی ایسی شان تھی جیسے آپؐ کی عمر مبارک ان ترپن سالوں کی بجائے نصف ہو جو عام الفیل کے سن پیدائش سے اب تک گزر چکے تھے۔ [مارٹن لنگز کی کتاب "محمد ﷺ" سے لیا گیا اقتباس]

کہ "جو کوئی بھی جنت کی بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں کو دیکھنے کا خواہش مند ہے اُسے چاہیے کہ امِ رمانؓ کو دیکھ لے۔"

شادی کا انتظام بڑا سادہ سا تھا، جس میں عائشہؓ کے لیے کوئی شان و شوکت والی بات نہ تھی۔ اُن کے والد نے اپنی بیٹی کے لیے بحرین کا بنا ہوا عمدہ قسم کا سرخ دھاریوں والا کپڑا خریدا تھا۔ اس کپڑے سے شادی کا جوڑا تیار کیا گیا تھا، پھر ان کی والدہ انھیں ان کے نئے تعمیر شدہ حجرے میں لے گئیں جہاں بنو ہاشم کی نمایندگی کرتی انصار کی چند خواتین دروازے پر اُن کا انتظار کر رہی تھیں [بنو ہاشم کی خواتین تو مکہ میں رہ گئی تھیں، اب تو یہی انصار نبیؐ کا خاندان تھا]۔ ان خواتین نے دلہن کا استقبال اِن پیار و محبت کے الفاظ سے کیا "خیریت و شادمانی کی خاطر........ اللہ کرے سب بہتر ہو" اور انھیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئیں۔ اس دوران جب کہ وہ عائشہؓ کے بال بنا رہی اور زیور پہنا رہی تھیں تو رسول اللہ ﷺ کھڑے مسکراتے رہے۔ عام شادیوں کے بر خلاف اس موقع پر نہ کوئی ضیافت ہوئی نہ ہی کوئی محفلِ موسیقی اور گانے بجانے کا ہنگامہ ہوا۔ یہ رہتی دنیا تک آنے والے مسلمانوں کے لیے ایک مثالی شادی تھی اِس بات کا پورا اہتمام کیا گیا تھا کہ جتنی ممکنہ سادگی سے ہو سکتی ہو، اتنی ہی سادہ ہو تا کہ محمد ﷺ کی بیٹیوں کی پیدایش پر تا قیامت کوئی باپ اُن کی ہونے والی شادیوں کے بوجھ اور دامادوں کے نخروں سے نہ کانپے۔ دودھ کا ایک پیالہ لایا گیا اور اس میں سے آپؐ نے خود نوش کرنے کے بعد عائشہؓ کو پیش کیا۔ انھوں نے انکار کیا لیکن آپؐ کے اصرار پر انھوں نے دودھ پی لیا۔ پھر یہ پیالہ اپنی بہن اسماءؓ کو دے دیا جو پاس ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔ اِن کے بعد دوسروں نے بھی اس پیالے سے تھوڑا تھوڑا دودھ پیا پھر سب لوگ دونوں کو تنہا چھوڑ کر اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

یثرب کا موسمی بخار

یثرب اپنے ایک خطرناک موسمی بخار کی وجہ سے عرب کے طول و عرض میں جانا جاتا تھا۔ یہ بخار خاص طور پر یہاں باہر سے آنے والوں کو جو اِس سے عادی [immune] نہ تھے زیادہ پریشان کرتا تھا۔ آپؐ کی پیدایش سے قبل نبی ﷺ کے والد مدینے میں بخار ہی سے وفات پائے تھے۔ رسول اللہ ﷺ خود تو اس بخار سے محفوظ رہے لیکن ابو بکرؓ سمیت بہت سے صحابہؓ پر اس بخار کا شدّت سے حملہ ہوا۔ اُن

کے آزاد کردہ دو غلام عامرؓ اور بلالؓ جو ہجرت کر کے یہاں آچکے تھے اور اُن دنوں آپؓ کے ساتھ مقیم تھے وہ بھی اس بخار کا شکار ہو گئے تھے۔ایک دن صبح کو عائشہؓ اپنے والد سے ملنے کے لیے گئیں۔انھیں یہ دیکھ کر شدید دھچکہ لگا کہ تینوں منہ کے بل نڈھال پڑے ہیں۔عائشہؓ نے پوچھا، ابا جان آپ کا کیا حال ہے؟ ابو بکرؓ شاید کم زوری کے باعث اپنی کیفیت بتانے سے قاصر تھے۔یا شدید بخار نے آپ کو اپنے رب سے ملاقات کا احساس دلا دیا تھا جو ایک شعر کے ذریعے زباں سے نکلا:

ہر شخص کو صبح دم اس کے دوست خیریت کی دعائیں دیتے ہیں
حالاں کہ موت جوتوں کے تسموں کی مانند اس کے قریب ہوتی ہے

عائشہؓ نے خیال کیا کہ اُن کے والد بخار کی حدت میں بے جانے کچھ بول رہے ہیں۔آپ عامرؓ کی طرف پلٹیں۔انھوں نے بھی جواب میں ایسا ہی ایک شعر پڑھ دیا:

مرے تو نہیں لیکن موت سے اتنا قریب ضرور ہیں
کہ موت کی حقیقت آنکھوں کے سامنے کھل گئی ہے

بلالؓ کا بخار تو اتر گیا تھا لیکن وہ بہت زیادہ نڈھال تھے۔مکان کے صحن میں پڑے آواز میں جو بھی توانائی مُیَسَّر تھی اس کے زور پر اپنے شہر، مکے کو اشعار میں یاد کر رہے تھے:

افسوس کیا میں پھر کسی رات سکون سے سو سکوں گا | کیا میں مجناہ کے کنوؤں کا پانی پھر کبھی پی سکوں گا
ان درختوں کی خوش بو میں پڑا جو مکہ کے باہر اگتے ہیں | اور شامہ اور طفیل کی پہاڑیوں کا نظارہ کر سکوں گا

بے چارے مَرد حضرات کا یہ حال دیکھ کر عائشہؓ گھر لوٹیں تو بہت افسردہ اور پریشان تھیں۔آپ نے اپنے شوہر کو بتایا کہ ایسا لگتا ہے کہ بخار کی حدت کی وجہ سے وہ لوگ ہوش و حواس کھو چکے ہیں۔لیکن جب آپ نے رسول اللہ ﷺ کو وہ اشعار سنائے جو آپ نے لفظ بہ لفظ یاد داشت میں محفوظ کر لیے تھے تو آپ ﷺ کو اطمینان ہو گیا ہو گا، کہ کچھ نہیں بس متقی مومنین کے عمدہ لا شعور میں پوشیدہ احساسات ہیں۔آپؐ نے کچھ اس طرح دعا فرمائی: اے اللہ! ہمارے دلوں میں مدینہ کو اسی طرح محبوب کر دے جیسے مکہ محبوب تھا، یا اس سے بھی زیادہ اور مدینہ کی فضا صحت بخش بنا دے، اور اس کے

صاع اور مد (غلے کے پیمانوں) میں برکت دے۔ اور اس کا بخار منتقل کر کے جحفہ [۶۳] پہنچا دے۔ (بخاری) اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی دعا قبول فرمالی۔

عبداللہ بن زبیرؓ کی پیدائش

مسلمانوں کو ہجرت کر کے مدینے آئے ہوئے سال ختم ہونے کو آیا، اُن کے درمیان ابھی تک کوئی نئی ولادت نہیں ہوئی تھی۔ اس معاملے کو بھی منافقین اور یہود نے آپس میں مذاق اور طعنوں کو ایک موضوع بنایا ہوا تھا۔ مدینے آنے کے بعد مہاجرین کے درمیان پہلی ولادت عبداللہ بن زبیرؓ کی ہوئی، جس سے مسلمانوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی، کیا خاص بات تھی کہ آج ڈیڑھ ہزار برس بعد بھی اہلِ ایمان اس بیٹے کی پیدائش کی خوشی کے تذکرے سے بھی خوش ہوتے ہیں۔

حجاز کی دو طاقتیں، ایک ہی زندگی کا حق پا سکے گی

سعد بن معاذؓ عمرہ کے لیے مکہ تشریف لے گئے اور اُمیّہ بن خلف کے مہمان ہوئے، شاید جاتے ہوئے اُنھیں مکہ سے نبی ﷺ کے مدینہ چلے جانے پر اہلِ مدینہ سے قریش کے بغض کا صحیح اندازہ نہیں رہا ہوگا، مگر وہاں جا کر حالات دیکھ کر اور اپنے میزبان سے صورتِ حال کی سنگینی کا اندازہ ہو گیا ہوگا، ویسے سب کچھ کے باوجود اطرافِ کعبۃ اللہ حرم تھا جہاں کسی دشمن کو بھی قتل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہاں پہنچ کر جب صورتِ حال کا اُنھیں ادراک ہوا ہوگا کہ سردارانِ قریش تو حرم کو حلال کرنے پر تُل گئے ہیں اور آنے والے دنوں میں اہلِ مدینہ کا حج و عمرہ کے لیے آنا موقوف ہوگا۔ تو اُنھوں نے اُمیہ سے کہا: "میرے لیے کوئی خاموشی اور تنہائی کا وقت دیکھو تاکہ میں ذرا بیت اللہ کا طواف تو کر لوں۔" اُمیّہ یہ گمان کر کے کہ دوپہر کے وقت لوگ اپنے گھروں میں دبکے ہوں گے وہ انھیں لے کر نکلا تو ابو جہل سامنے تھا۔ اس نے اُمیہ سے پوچھا کہ ابو صفوان تمھارے ساتھ یہ کون ہے؟ اُمیہ نے کہا: یہ سعد ہیں۔ ابو جہل نے سعدؓ کو مخاطب کر کے کہا: "اچھا! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بڑے امن و اطمینان سے طواف کر رہے ہو حالاں کہ تم لوگوں نے بے دینوں کو پناہ دے رکھی ہے اور یہ زعم رکھتے ہو کہ [دورانِ جنگ ہمارے مقابلے میں] ان کی نصرت و اعانت بھی کرو گے۔ سنو! اللہ کی قسم! اگر تم ابو صفوان کے ساتھ

---

۶۳ یا شاید کہا گیا کہ مسافتِ مہینہ تک دور فرما دے

نہ ہوتے تو اپنے گھر زندہ سلامت پلٹ کر نہ جاسکتے تھے۔" اس پر سعدؓ نے بلند آواز میں کہا: "سن! اللہ کی قسم اگر تو نے مجھ کو اِس [طواف و زیارت کعبہ] سے روکا تو میں تجھے ایسی چیز سے روک دوں گا جو تجھ پر اس سے بھی زیادہ گراں ہوگی۔" سعدؓ کا واضح اشارہ اہلِ مکہ کا تجارتی راستا تھا جو مدینے کے قریب بدر کے پاس سے گزرتا تھا۔ اس راستے کو بند کرنے کا مطلب قریشِ مکہ کا فقیر ہو جانا اور بھوکوں مرنا تھا۔

حالات اپنی رفتار سے ایک شکل اختیار کرتے چلے گئے اور مدینے کی ریاست مکہ کے لیے ایک دشمن سلطنت بن گئی، اب اِن دونوں سلطنتوں کا ایک ساتھ باقی رہنا ناممکن ہو گیا۔ دونوں کا جلد یا بدیر اس طرح ٹکرانا لازمی ہو گیا کہ ایک یا تو نیست و نابود ہو جائے یا دشمن کے سامنے ڈگیں ڈال کر اُس سے رحم کی درخواست کرے۔ چناں چہ اس اعلانِ مبازرت میں قریش نے پہل کی اور مسلمانوں کو پیغام بھجوادیا کہ: "تم مغرور نہ ہونا کہ مکہ سے صاف بچ کر نکل آئے، ہم یثرب ہی پہنچ کر تمھیں نیست و نابود کر دیتے ہیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ کے عطا کردہ فہم و بصیرت سے صورت حال کا ادراک رکھتے تھے، چناں چہ آپؐ یا تو جاگ کر رات گزارتے تھے یا پہرے میں سوتے تھے۔ چنانچہ بخاریؒ و مسلمؒ عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جاگ رہے تھے کہ فرمایا: "کاش! آج رات میرے صحابہؓ میں سے کوئی صالح آدمی میرے یہاں پہرہ دیتا۔" ابھی ہم اسی حالت میں تھے کہ ہمیں ہتھیار کی جھنکار سنائی دی۔ آپؐ نے فرمایا: "کون ہے؟" جواب آیا: "سعد بن ابی وقاصؓ" فرمایا: کیسے آنا ہوا؟ بولے: "میرے دل میں آپؐ کے متعلق خطرے کا اندیشہ ہوا تو میں آپؐ کے یہاں پہرہ دینے آگیا۔" اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انھیں دُعا دی اور سو گئے۔ یہ پہرے کا نظام طویل عرصے تک ایک مستقل نظام بنا رہا یہاں تک کہ یہ سورۃ المائدہ کی ۶۷ ویں آیہ مبارکہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی حفاظت کی گارنٹی دے دی۔ (وَ اللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ؕ اللہ آپؐ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا) تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پہرہ پر موجود اصحابؓ سے کہہ دیا کہ لوگو! واپس جاؤ اللہ عزّ و جل نے مجھے محفوظ کر دیا ہے۔ خطرات کی یہ تشویش ناک صورت غزوہ احزاب تک رہی جب اس کا یقین و اطمینان ہو گیا کہ اب قریش مدینے پر حملے کی ہمت نہیں کریں گے اور مدینے کے اطراف بھی یہود سے خالی ہو گئے۔ اُبیّ بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپؐ کے رُفقاء مدینہ تشریف لائے، اور انصار نے

انھیں اپنے یہاں پناہ دی تو سارا عرب اُن کے خلاف متحد ہو گیا۔ چناں چہ مسلمان نہ ہتھیار کے بغیر رات گزارتے تھے اور نہ ہتھیار کے بغیر صبح کرتے تھے۔

☆☆☆☆☆

ضمیمہ: لھو پر آیاتِ قرآنی

- وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ [سُوْرَةُ الْاَنْعَام ٦: ٣٢] دُنیا کی زندگی تو ایک کھیل اور ایک تماشا ہے

- وَ ذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّ لَهْوًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا [سُوْرَةُ الْاَنْعَام ٦ : ٧٠] چھوڑو اُن لوگوں کو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا رکھا ہے اور جنہیں دنیا کی زندگی فریب میں مبتلا کیے ہوئے ہے۔

- وَ مَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ ط وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ [سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْت ٢٩: ٦٤] اور یہ دنیا کی زندگی کچھ نہیں ہے مگر ایک کھیل اور دل کا بہلاوا۔ اصل زندگی کا گھر تو دارِ آخرت ہے،

- وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا ط [سُوْرَةُ لُقْمٰن ٣١: ٦] اور انسانوں ہی میں سے کوئی ایسا بھی ہے، جو کلام دلفریب [64] خرید کر لاتا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستہ سے علم کے بغیر بھٹکا دے اور اسے راستے کی دعوت کو مذاق میں اُڑا دے۔

---

٦٤ امام قرطبی کہتے ہیں کہ یہ اُن تین مقامات میں سے ایک ہے، جن سے علماء نے غنا [گانا] کی ناپسندیدگی اور ممانعت کو اخذ کیا ہے۔ اس میں کلیدی لفظ لھو ہے۔ جس کا ترجمہ کلام دلفریب ہے۔ صف اوّل کے مفسرین نے زور دے کر یہ بات کہی ہے کہ اس کا اطلاق بے فائدہ باتوں سے ملتی جلتی دوسری چیزوں کے ساتھ غنا پر بھی ہوتا ہے۔ عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں: میں اس ذات کی قسم کھاتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اس کا اشارہ غنا [گانے] کی طرف ہے اپنے موقف پر زور دینے کے لیے انہوں نے یہ بات تین بار دہرائی۔ [تفسیر الطبری، سورۃ لقمان، آیت: ٦، ١٨: ٥٣٤-٣٥]